

دن گزرنے لگے، پورا ایک مہینہ گزر گیا، مگر منشی جی نہ لوٹے۔ کوئی خط بھی نہ بھیجا۔ نرملہ کو اب روزی ہی تردد رہتا تھا کہ وہ لوٹ کر نہ کر نہ آئے تو کیا ہوگا؟ اسے اس کی فکر نہ ہوتی تھی کہ ان پر کیا بیت رہی ہوگی، اور کہاں مارے مارے پھرتے ہوں گے۔ ان کی صحت کیسی ہوگی؟ اسے صرف اپنی اور اس سے بھی زیادہ بچی کی فکر تھی۔ گھر سستی کیسے چلے گی؟ ابشور کیسے بیڑا پار لگا دیں گے؟ بچی کی کیا حالت ہوگی؟

اس نے کاٹ چھانٹ کر کے جو روپے جمع کئے تھے اس میں ہر روز کچھ نہ کچھ کمی ہوتی جاتی تھی۔ نرملہ کو اس میں سے ایک ایک پیسہ نکالنا اس قدر کھلتا تھا گو یا کوئی اس کے بدن سے خون نکال رہا ہو جیسے کھلا کر منشی جی کو کوستی۔ لڑکی کسی چیز کے لیے روتی تو اسے کمبخت منگوس وغیرہ کہہ کر ڈانٹ دیتی۔ یہاں نہیں، رکنی کا گھر میں رہنا بھی ناگوار تھا گو یا وہ اس کی گردن پر سوار ہے۔ جب دل جلتا ہے تو الفاظ بھی جلے کٹے نکلتے ہیں۔ نرملہ بڑی شیریں زبان عورت تھی۔ مگر اب اس کا شمار بد زبان عورتوں میں کیا جاسکتا تھا۔ تمام دن اس کے منہ سے سخت باتیں نکلا کرتیں۔ اس کے الفاظ کی نرمی نہ جانے کیا ہو گئی تھی، مزاج میں بردباری تھی، مگر یہ ہر وقت کی تبو اس اس سے بھی برداشت ہو سکتی۔ ایک روز اس نے بھی گھر کی راہ لی۔ یہاں تک کہ جس بچی کو وہ مان سے عزیز رکھتی تھی اس کی صورت سے بھی نفرت ہو گئی بات بات پر جھڑک دیتی، کبھی کبھی مار بیٹھتی۔ رکنی روتی ہوئی لڑکی کو گود میں اٹھا لیتی اور لاڈ پیار کر کے چپ کراتی۔ اس بے کس کے لیے اب یہی ایک سہارا رہ گیا تھا۔

نرملہ کو اب اگر کچھ اچھا لگتا تھا تو سدھا سے باتیں کرنا۔ وہ وہاں جلنے کا موقع تلاش کرتی رہتی تھی۔ بچی کو اب وہ اپنے ساتھ نہ لے جانا چاہتی تھی۔ پہلے جب بچی کو اپنے گھر میں سبھی چیزیں کھانے کو ملتی تھیں تو وہ وہاں جا کر منہ پٹی کھینچتی تھی۔ اب وہاں جا کر اسے بھوک لگتی تھی۔ نرملہ اسے گھور گھور کر دیکھتی مٹھیاں باندھ کر دھمکانی مگر لڑکی بھوک کی رٹ لگانا نہ چھوڑتی تھی۔ اسی لیے نرملہ اب اسے ساتھ نہ لے جاتی تھی۔ سدھا کے پاس بیٹھ کر اسے معلوم ہوتا تھا کہ میں آدمی ہوں۔ اتنی دیر کے لیے اس کو تفکرات سے نجات مل جاتی تھی جیسے شرابی کو شراب کے نشہ میں بے فکر ہوتی ہے اسی طرح نرملہ سدھا کے گھر جا کر مطمئن ہو جاتی۔ اس کے مزاج میں تبدیلی نظر آتی۔ بد زبان عورت یہاں آکر حلاوت اور خوش گفتاری کا مجسمہ بن جاتی تھی۔ شباب کی قدرتی کمر لکیمی وہاں گھر میں راستہ بھر پا کر یہاں سترک ہو جاتی تھیں۔ وہ یہاں اپنا پورا بناؤ سنگار کر کے آتی اور حتی الامکان اپنے رنج و غم کو اپنے دل ہی میں رکھتی۔ یہاں وہ دل کے پیچھے نہیں ہٹنے کے لیے

آتی تھی۔

مگر شاید اس کے نصیب میں یہ سکھ بھی نہیں بدلتا تھا۔ نرملہ عموماً دوپہر یا تیسرے پہر میں سدھا کے گھر جایا کرتی تھی۔ ایک روز اس کا جی اس قدر گھبرا یا کہ سویرے ہی جلد ہی سدھا دریا نہانے گئی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اسپتال جانے کے لیے کپڑے پہن رہے تھے مہری اپنے کام دھندے میں لگی ہوئی تھی۔ نرملہ اپنی سکھی کے کمرے میں جا کر فراغت سے بیٹھ گئی۔ اس نے سمجھا سدھا کوئی کام کر رہی ہوگی۔ اور ابھی آتی ہوگی جب بیٹھے بیٹھے دو تین منٹ گزر گئے تو اس نے اٹھ کر سیڑی سے تھوڑی دیر کی ایک کتاب اتار لی۔ اور بال کھولے ہوئے پلنگ پر لیٹ کر تصویریں دیکھنے لگی۔ اسی اثنا میں ڈاکٹر صاحب کو ضرورتاً نرملہ کے کمرے میں آنا پڑا شاید عینک تلاش کر رہے تھے۔ بیدار ہو کر اندر چلے آئے۔ نرملہ دروازے کی طرف بال کھولے ہوئے لیٹی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھتے ہی ایک دم اٹھ بیٹھی اور سر کو ڈھانکتی ہوئی پلنگ سے اتر کر نیچے کھڑی ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے لوٹتے ہوئے حق کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔ معاف کرنا نرملہ، مجھے معلوم نہ تھا کہ تم یہاں ہو۔ میری عینک میرے میں کمرے میں نہیں مل رہی ہے، نہ جانے کہاں اتار رکھ دی تھی۔ میں نے سمجھا کہ عینک یہاں ہو۔

نرملہ نے پلنگ کے سرہانے والے طاق پر نگاہ ڈالی تو عینک کا خانہ دکھائی پڑا۔ اس نے آگے بڑھ کر خانہ اتار دیا۔ اور سر جھکائے بدن سمیٹے۔ شرم سے منہ پھیرے ہوئے ڈاکٹر صاحب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ڈاکٹر صاحب نے نرملہ کو دو ایک بار پیشتر بھی دیکھا تھا مگر اس وقت کے سے ارادے کبھی ان کے دل میں نہ پیدا ہوئے تھے، جس آگ کو برسوں سے دل میں دبائے ہوئے تھے، وہ آج بھوکا جھوٹکا پا کر بھڑک اٹھی۔ انھوں نے عینک لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ہاتھ کانپ رہا تھا۔ عینک لے کر بھی وہ ہار نہ گئے۔ وہیں ساکت سے کھڑے رہے۔ نرملہ نے اس تنہائی سے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔ ”سدھا کہاں گئی ہیں کیا؟“ ڈاکٹر صاحب نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔ ”ہاں ذرا نہانے گئی ہیں۔“

پھر بھی ڈاکٹر صاحب ہار نہ گئے، وہیں کھڑے رہے۔ نرملہ نے پھر پوچھا کب آؤں گی؟ ڈاکٹر نے سر جھکائے ہوئے کہا۔ ”آتی ہی ہوں گی؟“

پھر بھی وہ ہار نہ گئے۔ ان کے دل میں سخت تلاطم ہو رہا تھا۔ اخلاقی رسوا نہیں بلکہ کم ہمتی کا تاگا ان کی زبان کو باندھے ہوئے تھا۔

نرملہ نے پھر کہا؟ کہیں گھومنے لگی ہوں گی، میں بھی اس وقت جاتی ہوں۔ کم ہمتی کا کچا دھاگہ بھی ٹوٹ گیا دیا کی ساحلی بلندیوں پر پہنچ کر بھاگتی ہوں بوج

میں غیر معمولی طاقت آجاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سراٹھا کر نرملا کو دیکھا اور نہایت محبت آمیز لہجے میں کہا: ”نہیں نرملا، اب آتی ہی ہوں گی۔ ابھی نہ جاؤ۔ روز سدھا کی خاطر سے بیٹھتی ہو تو آج میری خاطر سے بیٹھو۔ بتاؤ کب تک اس آگ میں جلا کروں گا کہتا ہوں نرملا۔“  
نرملا نے آگے کچھ نہ سنا، اسے ایسا معلوم ہوا گویا ساری زمین چمک رہی ہے گما سکی جان پر نزاروں بجلیاں گر رہی ہیں۔ اس نے جلدی سے اٹکنی پر ٹپکتی ہوئی چادر اتار لی اور بغیر منہ کے ایک لفظ نکالے کمرے کے باہر نکل گئی۔ ڈاکٹر صاحب کھانے سے ہوئے رونے صورت بنائے کھڑے رہ گئے اسے روکنے کی یا اور کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی۔

نرملا جو کہیں دروازے پر پہنچی کہ اس نے سدھا کو تانگے سے اترتے دیکھا۔ سدھا اسے دیکھتے ہی جلدی سے اتر کر اس کی طرف دوڑی اور کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر نرملا نے اس کو موقع نہ دیا وہ تیر کی طرح تیزی سے چلی گئی۔ سدھا ایک لمحے تک متحیر کھڑی رہی۔ وہ کچھ نہ سمجھ سکی کہ بات کیا ہے۔ وہ گھبرا اٹھی۔ جلد اندر گئی۔ اور مہری سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی۔ اسے محسوس ہوا کہ کہیں مہری یا کسی نوکر نے اس کو کوئی توہین آمیز بات کہہ دی ہے۔ وہ مجرم کا پتہ لگانے لگی اور اس کو کھڑے کھڑے نکال دے گی۔ دوڑی ہوئی وہ اپنے کمرے میں گئی۔ اندر قدم رکھتے ہی ڈاکٹر کو سر جھکائے پلنگ پر بیٹھ دیکھا۔ پوچھا: ”نرملا یہاں آتی تھیں؟“  
ڈاکٹر نے سر کھاتے ہوئے کہا: ”ہاں آتی تھیں۔“

سدھا: ”کسی مہری نے انھیں کچھ تو نہیں دیا؟ مجھ سے بولیں تک نہیں، تیزی سے نکل گئیں؟“  
ڈاکٹر صاحب کا چہرہ اور اس ہو گیا، کہا: ”یہاں تو انھیں کسی نے بھی کچھ نہیں کہا؟“  
سدھا: ”کسی نے کچھ کہا ہے، دیکھوں میں پوچھتی ہوں نہ۔“ ایشور جاتا ہے کہ بپتہ پا جاؤنگی تو کھڑے کھڑے نکال دوں گی۔“  
ڈاکٹر صاحب سٹپٹا کر لوہے: ”میں نے تو کسی کو کچھ کہتے ہوئے نہیں سنا، تمہیں انھوں نے دیکھا ہی نہ ہوگا۔“

سدھا: ”واہ دیکھا ہی نہ ہوگا! ان کے سامنے تو میں تانگے سے اتری۔ انھوں نے میری طرف دیکھا بھی مگر بولیں کچھ نہیں۔ اس کمرے میں آتی تھیں؟“  
ڈاکٹر کی روح فنا ہوئی جاتی تھی، پیچکپاتے ہوئے بولے: ”آئی کیوں نہیں تھیں؟“  
سدھا: ”تمہیں یہاں بیٹھا دیکھ کر چلی گئی ہوں گی۔ بس کسی مہری کے کچھ کہہ دیا ہو گا۔“  
”ہیں نہ کسی کو بات کرنے کی تمیز تو ہے نہیں۔ ارمی اور سندریا، ذرا یہاں تو آنا!“  
ڈاکٹر: ”اسے کیوں بلاتی ہو؟ وہ یہاں سیدھے دروازے کی طرف گئی، مہروں سے تو

بات تک نہیں ہوئی۔

سدھا: تو کچھ تمہیں نے کچھ کہہ دیا ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب کا دھڑکنے لگا، بولے: میں بھلا کیا کہہ دینا، کیا گنوار ہوں۔

سدھا: تمہ نے اسے اتنے دیکھا تب بھی بیٹھے رہ گئے۔

ڈاکٹر: میں یہاں تھا ہی نہیں۔ باہر کمرے میں بینک ڈھونڈتا رہا۔ جب وہاں نہ ملے تو میں نے سوچا کہ شاید اندر ہو۔ یہاں آتا تو انھیں بیٹھے دیکھا میں باہر جانا چاہتا تھا کہ انھوں نے خود ہی پوچھا، کسی چیز کی ضرورت ہے؟

”میں نے کہا ذرا دیکھنا، یہاں میری بینک تو نہیں ہے اسی سرہانے والے طاق پر تھی۔“  
... انھوں نے اٹھا کر دے دی۔ بس اتنی ہی بات ہوئی۔

سدھا: بس تمہیں بینک دیتے ہی وہ جھلائی ہوئی باہر چلی گئیں۔

ڈاکٹر: جھلائی ہوئی تو نہیں چلی گئیں۔ مگر انہوں نے کہا، بیٹھے، وہ آتی ہو گی۔  
نہ بیٹھیں تو میں کیا کرتا؟

سدھا نے کچھ سوچ کر کہا: بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ میں ذرا ان کے پاس جاتی ہوں دیکھوں کیا بات ہے۔

ڈاکٹر: تو چلی جانا، ایسی جلدی کیا ہے؟ سارا دن تو پڑا ہوا ہے۔

سدھا: تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی نہ ملا کے گھر کی طرف چلی اور پانچ منٹ میں جلدی دیکھا تو نہ ملا اپنے کمرے میں پتنگ پڑی رو رہی تھی۔ ادبچی اس کے پاس کھڑی پوچھ رہی تھی۔  
اماں! کیوں لوتی ہو؟ سدھا نے لڑکی کو گود میں اٹھا لیا۔ اور نہ ملا سے بولی: بہن سچ بتاؤ، کیا بات ہے؟ میرے یہاں کسی نے تمہیں کچھ کہا ہے؟ میں سب سے پوچھ چکی، کوئی کچھ نہیں بتلاتا۔  
نہ ملا: نسو پوچھتی ہوئی بولی: کسی نے کچھ نہیں بہن! بھلا وہاں مجھے کون کچھ کہتا؟

سدھا: تو کچھ مجھ سے بولیں کیوں نہیں اور آتے ہی رونے لگیں؟

نہ ملا: اپنے نصیبوں کو رو رہی ہوں اور کیا؟

سدھا: تم یوں نہ بتاؤ گی۔ تو میں قسم رکھا دوں گی۔

نہ ملا: قسم نہ رکھانا بھئی! مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا، جھوٹ کیسے لگا دوں؟

سدھا: کھاؤ میری قسم!

نہ ملا: تم ناحق ضد کرتی ہو۔

سدھا: اگر تم نے نہ بتلایا تو میں سمجھوں گی کہ تمہیں مجھ سے ذرا بھی بحت نہیں ہے بس



سب زبانی جمع خرچ ہے۔ میں تم سے کسی بات کا پردہ نہیں رکھتی اور تم مجھے فیر سمجھتی ہو مجھے تم پر بڑا بھروسہ تھا، اب جان گئی کہ کوئی کسی کا نہیں ہوتا۔

سدھا اب دیدہ ہو گئی۔ اس نے بچی کو گود میں سے اتار دیا اور دروازے کی طرف چلی نرملانے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور روتی ہوتی بولی۔ ”سدھا! میں تمہارے پیروں پڑتی ہوں، کچھ مست پوچھو۔ تمہیں سن کر رنج ہو گا اور شاید میں پھر اپنا منہ نہ دکھا سکوں۔ میں اب جان نہ ہوتی تو یہ دنیا ہی کیوں دکھیتی؟ اب تو ایشور سے کبھی سنتی ہے کہ وہ اس دنیا سے مجھے اٹھالیں۔ ابھی یہ درگت ہو رہی ہے تو آگے نہ جانے کیا ہو گا۔“

ان الفاظ میں جو اشارہ تھا وہ فہم سدھا سے مخفی نہ رہ سکا۔ وہ سمجھ گئی کہ ڈاکٹر صاحب نے کچھ چھپ چھپا رکھا ہے۔ ان کا چھپکے ہوئے باتیں کرنا اور اس کے سوالوں کو ٹالنا۔ ان کا وہ اداس اور بد رنگ چہرہ یاد آگیا۔ وہ سر سے پیر تک کانپ اٹھی۔ اور بلا کچھ کہے سے شبیرنی کی طرح غصہ میں بھری ہوئی دروازے کی طرف چلی۔ نرملانے اسے روکنا چاہا مگر روک نہ سکی۔ دیکھتے دیکھتے وہ سڑک پر جا رہی اور گھر کی طرف چل دی۔ تب نرملانے میں نہ مینا پر مینہ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

(۲۶)

نرملانے تمام دن پلنگ پر پڑی رہی۔ معلوم ہوتا ہے، اس کے بدن میں جان ہی نہیں ہے۔ نہ نہایا اور نہ کھانا کھانے کے لیے اٹھی۔ شام کو اسے بخار ہو گیا۔ تمام رات بدن قوسے کی طرح ہلتا رہا۔ دوسرے روز بھی بخار نہ اترا، البتہ کچھ کم ہو گیا تھا۔ وہ پلنگ پر لیٹی ہوئی ”ٹٹٹٹٹ“ مانندہ پردہ رونا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چاروں طرف سونا تھا اندر بھی سونا۔ اور باہر بھی سونا۔ نہ کوئی فکر تھی نہ کچھ یاد، نہ کسی قسم کا رنج تھا۔ دماغ میں احساس کی قوت ہی باقی نہ رہی تھی۔

دفعۃً رکنی بچی کو گود میں لیے آکر کھڑی ہو گئی۔ نرملانے پوچھا ”کیا یہ بہت روتی تھی؟“ رکنی: ”نہیں، یہ تو بولی تک نہیں۔ رات بھر چپ چاپ پڑی رہی۔ سدھا نے تھوڑا دودھ بھیج دیا تھا، وہی بلا دیا تھا۔“

نرملانے: ”اہیرن دودھ نہ دے گئی تھی؟“

رکنی: ”کہتی تھی کہ کچھلے پیسے دیدو تو دودھ دوں۔ تمہارا جی اب کیسا ہے؟“

نرملانے: ”مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ کل بدن کچھ گرم ہو گیا تھا۔“

رکنی: ”ڈاکٹر صاحب کا تو مبرا حال ہو گیا۔“

نرملانے گھرا کر پوچھا۔ کیا ہوا؟ سب خیریت ہے نہ؟  
 رُکنی! خیریت ہے کہ لاش اٹھانے کے لیے تیار ہو رہی ہے۔ کوئی کہتا ہے، نہ ہر کھالیا۔  
 کوئی کہتا ہے دل کی چال بند ہو گئی۔ بھگوان جانے کیا ہوا۔  
 نرملانے ایک ٹھنڈی سانس لی اور روندے ہوئے گلے سے بولی: "ہائے ایشور، سدھا  
 کی کیا حالت ہوگی اودہ کیسے جئے گی؟"

یہ کہتے ہوئے وہ رو پڑی دیر تک سسکتی رہی پھر پلنگ سے اتر کر سدھا کے پاس  
 جانے کو تیار ہو گئی۔ پاؤں پھر پھر کانپ رہے تھے۔ دیوار تھامے کھڑی تھی، مگر دل نہ مانتا  
 تھانہ جانے سدھانے یہاں سے جا کر شوہر کو کیا کہا؟ میں نے اس کو کچھ کہا بھی نہیں، نہ جانے میری  
 باتوں کا وہ کیا مطلب سمجھی؟ ہائے ایسے شکل و صورت والے، ایسے مہربان، ایسے نیک شخص  
 کا یہ حال! اگر نرملہ کو معلوم ہوتا کہ اس کے غصے کا یہ بھرت ناک نتیجہ ہو گا۔ تو ہر کا گھونٹ  
 پانی کر بھی اس بات کو سنہی میں اڑا دیتی۔

یہ سوچ کر میری ہی بے دردی کے سبب ڈاکٹر صاحب کا یہ حال ہوا۔ نرملہ کا دل پاش  
 پاش ہو گیا۔ ایسی تکلیف ہوئی گویا دل میں شدید کا درد ہو رہا ہو۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے گھر چلی۔  
 لاش اٹھ چکی تھی۔ باہر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گھر میں عورتیں جمع تھیں۔ سدھا زمین پر بھی  
 رو رہی تھی۔ نرملہ کو دیکھتے ہی وہ دوز سے چلا کر رو پڑی۔ اور آکر اس کے سینے سے پیٹ  
 لگئی۔ دونوں دیر تک روتی رہیں۔

جب عورتیں چلی گئیں تو تنہائی میں نرملانے پوچھا: یہ کیا ہو گیا بہن! تم نے کچھ کہہ دیا؟  
 سدھا اپنے دل کو ایسے سوال کا جواب آج کتنی ہی بار دے چکی تھی۔ اس کا دل جس  
 جواب سے نفی پا چکا تھا۔ وہی جواب اس نے نرملہ کو دیا۔ بولی چپ بھی تو نہ رہ سکتی تھی،  
 بہن غصے کی بات پر غصہ آتا ہی ہے۔

نرملہ: "میں نے تو تم سے کوئی ایسی بات بھی نہیں کہی تھی۔"  
 سدھا: "تم کیسے کہتیں۔ کہہ نہیں سکتی تھیں! مگر انھوں نے جو بات ہوئی تھی، کہہ دی اس  
 پر میں نے جو منہ میں آیا، کہا۔ جب ایک بات دل میں آگئی تو اسے ہوا ہی سمجھنا چاہئے۔ موقع  
 ملے تو وہ درد ہی بوری ہو۔ یہ کہہ کر کوئی نہیں نکل سکتا کہ میں نے تو سنہی کی تھی۔ تنہائی میں  
 ایسا لفظ زبان پر لانا ہی کہہ دینا ہے کہ نیت بُری تھی۔ میں نے تم سے کبھی کہا نہیں، بہن، مگر  
 میں نے انھیں کئی بار تمہاری طرف دیکھا۔ اس وقت میں نے بھی یہی سمجھا کہ شاید مجھے  
 دھوکا ہو رہا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ اس ناک جھانک کا کیا مطلب تھا۔ اگر میں نے دنیا

زیادہ دیکھی ہوتی تو تمہیں اپنے گھر نہ آنے دتی۔ کم سے کم تم پر ان کی نگاہ نہ پڑنے دیتی۔ لیکن کیا مانتی تھی کہ مردوں کی زبان پر کچھ اور ان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے؟ ایشور کو جو منظور تھا وہ ہوا۔ ایسے سہاگ سے تو میں بدھوا ہونا برا نہیں سمجھتی۔ غریب اس امیر سے کہیں زیادہ سکھی ہے۔ جسے اس کی دولت سانپ بن کر کاٹنے دوڑے۔ فاقہ آسان ہے مگر زہر پالکھانا کھالینا اس سے بدرجہا مشکل!

(۱۲)

ایک مہینہ گزر گیا۔ سدھا اپنے شوہر کے بھائی کے ساتھ تیسرے ہی روز چلی گئی۔ اب بڑا تنہا تھی۔ پہلے سنس بول کر دل بہلا لیا کرتی تھی۔ اب صرف رونے سے کام تھا۔ اس کی صحت روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ — پرانے مکان کا کرایہ زیادہ تھا۔ دوسرا مکان کم کرایہ پر لیا۔ یہ ایک تنگ گلی میں تھا۔ اندر ایک کمرہ تھا اور چھوٹا سا صحن۔ نہ روشنی کا گذر تھا نہ ہوا کا بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ کھانے کا یہ حال کہ پیسے ہوتے بھی اکثر فاقہ کرنا پڑتا تھا۔ بازار سے لاوے کون؟ پھر اب گھر میں کوئی مرد نہیں، کوئی لڑکا نہیں، تو روز کھانا پکانے کی زحمت کون اٹھائے عورتوں کے لیے روز کھانے کی ضرورت ہی کیا؟ اگر ایک وقت کھالیا تو دودھ کے لیے فراغت مل گئی۔ بچی کے لیے تازہ حلوہ یا روٹیاں من جاتی تھیں۔ ایسی حالت میں صحت کیوں نہ خراب ہوتی؟ تنکوریج، تنباہی ایک ہوتی ہو تو کہے یہاں تین تین بلا میں نازل ہوئی تھیں۔ اس پر بڑا ملا نے دوا نہ کھانے کی قسم کھال تھی۔ کرتی ہی گیا، تھوڑے سے روپیوں میں دوا کی گنجائش کہاں تھی؟ جہاں کھانے کا ٹھکانہ تھا۔ وہاں دو کھانے کا ذکر ہی کیا؟ روز بروز خشک ہوتی جا رہی تھی۔ ایک روز رکنی نے کہا: ”بھو! اس طرح کس تک گھلا کر دے گی؟ جان ہے تو جہاں ہے، چلو کسی وید کو دکھالاول۔“

نرملانے بے پروائی سے کہا: ”جسے رونے ہی کے لیے جینا ہو اس کا مر جانا ہی بہتر۔“

رکنی: ”بلانے سے تو موت نہیں آتی۔“

نرملانے: ”موت تو بغیر بلانے آتی ہے، بلانے پر کیوں نہ آئے گی۔ اس کے آنے میں اب بہت دن نہ لگیں گے، بہن، جتنے روز چلتی ہوں۔ اتنے ہی برس سمجھ لیجئے۔“

رکنی: ”دل ایسا چھوٹا مت گرو بہو! ابھی تم نے سنسار کا سکھ ہی کیا دیکھا ہے۔“

نرملانے: ”اگر سنسار کا یہی سکھ ہے۔ جو اتنے دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔ تو اس سے جی بھر گیا۔ سچ کہتی ہوں بہن۔ اس بچی کا منہ مجھے باندھے ہوئے ہے۔ ورنہ اب تک کبھی کی چلی گئی ہوتی۔ نہ جانے اس بیچاری سے بھاگ میں کیا لکھا ہے۔“

دونوں عورتیں رونے لگیں۔ ادھر جب سے نرملانے چار پائی پکڑی ہے۔ رکنی کے دل میں رحم کا چشمہ اُبل اُبل رہا ہے۔ نفرت کا نام بھی نہیں رہا۔ کوئی کام کرتی ہو مگر نرملاک کی تعارف سننے ہی دوڑتی ہے۔ گھنٹوں اس کے پاس بیٹھ کر کتنا بدبران سنا پا کرتی ہے۔ کوئی ایسی چیز پکانا چاہتی ہے جسے نرملار غبت سے کھائے۔ نرملاک کو کبھی ہنستا دیکھ لیتی ہے تو خوش ہو جاتی ہے۔ اور کچی کو تو اپنے گلے کا ہار بنائے رہتی ہے اسی کی نمیند جاگتی ہے۔ وہی کچی باب اس کی زندگی کا سہارا ہے۔

رکنی نے ذرا دیر بعد کہا: بہو، تم اتنی نرا اس کیوں ہوتی ہو؟ جھگو ان چاہیں گے تو تم دو چار روز نہیں اچھی ہو جاؤ گی۔ میرے ساتھ آج دیدی جی کے پاس چلو، بڑے بھلائی میں نرملاک دیدی جی اب مجھے کسی دید حکیم کا دوا فائدہ نہ کرے گی۔ آپ میری فکر نہ کریں۔ کچی کو آپ کی گود میں چھوڑے جاتی ہوں۔ اگر مصیبتی جاگتی ہے تو کسی اچھے گھرانے میں بیاہ دنیا میں اس کے لیے اپنی زندگی میں کچھ نہ کر سکی، صرف جہنم دینے بھر کے لیے گنہگار ہوں۔ چاہے کنواری رکھے چاہے زہر دے کر مار ڈالے گا، مگر نااہلی کے محلے نہ باندھے گا۔ اتنی ہی آپ سے میری سبب ہے۔ میں نے آپ کی کچھ خدمت نہ کی اسکا مجھے بڑا رنج ہو رہا ہے۔ کچھ ابھکا گن سے کسی کو سکھ نہیں ملا جس پر سایہ بھی پڑ گیا۔ وہ بالکل نساہ ہو گا۔ اگر سوامی جی کبھی گھر آویں تو ان سے کہئے گا کہ بد نصیب کا قصور معاف کریں؟

رکنی روتی ہوئی بولی: بہو، تمہارا کوئی قصور نہیں۔ ایشور کی ساکھی دے کر کہتی ہوں کہ تمہاری طرف سے میرے دل میں ذرا ابھی میل نہیں ہے۔ ہاں میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ برائی کی ہے۔ اس کا مجھے مرتے دم تک رنج رہے گا؟

نرملانے آزدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا: دیدی جی! کہنے کی بات نہیں، مگر بنا کہے نہیں رہا جاتا۔ سوامی جی نے ہمیشہ مجھے بے اعتباری کی نظر سے دیکھا مگر میں نے دل میں ان کی بے عزتی کا خیال بھی نہیں آنے دیا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا، ادھر مگر کے اپنا پر لوک گیوں بگاڑتی؟ اس جہنم میں نہ جانے کون سے پاپ کئے تھے۔ جن کاہوں بدلا چکانا پڑا۔ اس جہنم میں کانٹے بڑی تو کیا گت ہوتی؟

نرملاک سانس بڑی تیزی سے چلنے لگی۔ پھر پلنگ پر لیٹ گئی اور کچی کی طرف ایسی نگاہ سے دیکھا جو اس کی ساری زندگی کی مصیبت بھری داستان کی مفصل تنقید تھی۔ الفاظ میں اس کے اظہار کی قدرت کہاں؟

تین روز تک نرملاک آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا رہا۔ وہ نہ کسی سے بولتی



تھی اور نہ کسی کی طرف دیکھتی تھی اور نہ کسی کی کچھ سنتی تھی۔ بس روئے چلی جاتی تھی! اس کی دلی تکلیف کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

جو تھے روزِ شام کے وقت یہ دردِ دکھ کی کہانی ختم ہو گئی۔ اسی وقت جب چہرہ پرند اپنی اپنی جائے قیام کو واپس ہو رہے تھے۔ نہ ملا گاٹا، نہ روح بھی تمام دن شکاریوں کی نشانہ بازیوں، شکاری چڑیوں کے پھول اور ہوا کے تیز جھونکوں سے مفرد و مجبور و محروم ہو کر اپنے بسیرے کی طرف اڑ گیا۔

محلہ کے لوگ جمع ہو گئے لاش باہر نکالی گئی۔ کون واہ (جلانے کی رسم) کرے گا، یہ سوال اٹھا۔ لوگ اسی فکر میں تھے کہ دفعتاً، ایک بڑھا سا فر ایک بچہ لٹکائے وہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ منشی طوطا نام تھا!